تحریکِ اسلامی

اقامت دین اور جماعت اسلامی کا قیام

مسعود عالم ندوی ○

ہندستان کے [برطانوی غلامی میں] پریشان کن حالات میں ایک ایسی اصولی اسلامی دعوت ظہور پذیر ہوئی، جو قومی تعصّبات اور جغرافیائی نعروں، نسل پرستی کے میلانات اور مغربیت کے تصورات سے پاک تھی۔ ایک سچّی اور حقیقی دعوت، جو کتاب اللہ کے چشمۂ صافی سے پھوٹنے والی، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسولؐ کے جہادِ زندگانی سے ماخوذ تھی۔ دینِ مبین کی طرف رجوع کرنے اور اس سے وابستگی کی وہ ہمہ گیر دعوت کہ انسان کو زندگی کے مختلف پہلوؤں اور شعبوں میں جو بھی مسائل ومشکلات پیش آئیں، وہ ان کا حل اسلام ہی میں تلاش کرے۔

یہ تحریک اقامتِ دین اور دینِ صحیح کے ان روشن امتیازی نشانات کو زندہ وتابندہ کرنے کی دعوت کی صورت میں سامنے آئی۔ اسلام کی صاف شفاف فکر میں درآنے والی مشرقی خرافات اور مغربی اوہام نے مسلم معاشروں میں ٹیڑھے ترچھے راستے اور خودساختہ طریقے ایجاد کر لیے تھے۔ گذشتہ صدیوں کے دوران عالم اسلام میں رفتہ رفتہ پروان چڑھتے انحطاط، فکروعمل پر مسلط جمود، اور بےعملی سے وابستہ اندھی تقلید پر مشتمل بدعات کے خاتمے کی یہ دعوت، ۱۹۳۰ء کے عشرے کے تھوڑی ہی دیر بعد ظہور میں آئی۔ اُس وقت، جب برصغیر میں مسلم قومیت اور متحدہ قومیت کی تحریکیں

○ مولانا مسعود عالم ندوی (۱۹۱۰ء-۱۹۵۴ء) جماعت اسلامی کے ابتدائی قائدین میں ایک بلند پایہ محقق اور علومِ اسلامیہ کے اسکالر تھے۔ انھوں نے تحریک اسلامی کے لٹریچر کو عالمِ عرب میں متعارف کرانے کے لیے بے پناہ محنت کی۔ منجملہ دیگر علمی آثار کے، انھوں نے برصغیر میں دعوتِ اسلامی کی تاریخ پر ایک کتاب تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الھند لکھی تھی، جو تاحال اُردو میں منتقل نہیں ہوئی۔ اس کتاب سے ایک باب، ترجمہ: ڈاکٹر ارشاد الرحمٰن۔ ادارہ

برسرِ پیکار تھیں۔ ہر مخلص مسلمان ورطۂ حیرت میں تھا کہ وہ ان حالات میں کیا کرے؟ اس پریشان کن صورت حال میں اُن کو حیرت سے نکالنے اور ہدایت وحق کے نور سے منور ہونے کی خوش خبری پر مشتمل یہ دعوت ظہور پذیر ہوئی۔ اسی دعوت نے یہ ذمہ داری اٹھائی کہ جہد وعمل کے ایک واضح لائحہ عمل اور صاف سیدھے طریق کو ان کے سامنے روشن کرے۔

اس دعوت کو برپا کرنے والوں کا اوّلین ہدف، نظریئے اور تصور کی درستی، حقیقت دین کے بیان، عقیدۂ توحید کو گم کرنے والے مشرکانہ تصورات کی تطہیر اور اسلام کی صاف ستھری تعلیمات کو وقت گزرنے کے ساتھ دَر آنے والی آلودگیوں سے پاک کرنا تھا۔

چونکہ یہ کام اسلام کے حقیقی مفہوم، اسلام کے مطلوب اغراض واہداف اور واضح اصول ومبادی پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس نے انفرادی اور اجتماعی تربیت، معاشرتی اصلاح اور نظامِ حکومت کو اسلام کے انھی تصورات کے زیرسایہ انجام دینا طے کیا۔ بدقسمتی سے ماضی میں باطل نظریات، گمراہ کن افکار اور جمود کی گرد میں اسلام کی حقیقی فکر دب کر رہ گئی تھی، اور یہ بات کسی صاحبِ دانش سے قطعاً مخفی نہیں ہے۔

اسلام اور اس کی دعوت

اسلام ـــــ جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ سے سمجھ میں آتا ہے، خاص طور پر اور جیسا کہ اس دعوت کے اٹھانے والوں نے اپنی تصنیفات اور رسائل واخبارات میں بیان کیا ہے، یہی وہ دین ہے جس کے سوا کسی اور دین کو اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کے لیے قبول نہیں کرے گا:

وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ‌ ۚ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ۝۸۵

(اٰل عمرٰن ۳:۸۵) اور اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد رہے گا۔

یعنی دینِ اسلام ہی انسانی زندگی میں فکروعمل کے لیے واحد، حقیقی اور موزوں طریقہ ہے، اسی میں اس کی کامیابی ہے۔ انسانی زندگی کے لیے اسلام کی اس مناسبت وموزونیت پر اس بات کا اضافہ بھی کرلیجیے کہ یہی انسانی زندگی کے انفرادی واجتماعی تمام گوشوں اور پہلوؤں کا احاطہ کرنے والا جامع لائحہ عمل ہے۔ یہ کسی ایک خطۂ زمین کے لیے کچھ، اور دوسرے قطعۂ ارض کے لیے

کچھ اور نہیں، ایک زمانے کے لیے کچھ، اور دوسرے زمانے کے لیے کچھ اور نہیں، ایک قوم کے لیے کچھ، اور دوسری کے لیے کچھ مختلف نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی سے ظاہر ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف (اٰل عمرٰن ۳:۱۹) ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے''۔

دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ، تمام تر انسانی زندگی کا احاطہ کرنے اور ہر دور کے مسائل وضروریات کی کفایت کرنے والا، واحد صحیح دین اسلام ہے۔ مغربی تہذیب اور افکار کی چمک سے متاثر ہو جانے والے بعض فریب خوردہ سمجھتے ہیں کہ اسلام بندے اور اللہ کے درمیان محض ایک انفرادی اور ذاتی معاملہ ہے، اس کا معاشرے اور نظامِ حکومت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ مفروضہ بے خبری یا دانستہ کج بحثی پر مبنی ہے۔

یہ امر واضح ہے کہ اسلام، عیسائیت یا یہودیت اور بدھ مت وغیرہ کی طرح چند متعین رسوم اور معلوم طریقوں کی مانند مذہب نہیں ہے، جنھیں بندہ اپنے اوقات کے محدود حصّے میں اپنے رب کے سامنے ادا کرتا ہے اور معاملات زندگی میں اسی رب کی مرضی سے بالکل آزاد و بے مہار ہو جاتا ہے، اور پھر جیسا چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے اور اپنے اوپر کوئی پابندی نہیں قبول کرتا۔ اس کے مقابلے میں اسلام، انسان کی مکمل انفرادی اور اجتماعی زندگی کا نظام ہے۔ وہ انسان کو مکمل طور پر زندگی کی ارفع و اعلیٰ قدریں اپنانے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ انسانوں کو آخرت کی جواب دہی کا احساس دلا کر سیدھے راستے کی پیروی کی طرف بلاتا ہے۔

ان کے سامنے زندگی کے ہر جزو، ہر پہلو، ہر گوشے اور ہر شعبے میں مثالی طریقے روشن کرتا ہے۔ اسلام کی یہ رہنمائی فرد سے لے کر خاندان تک، سیاست سے لے کر شہریت تک، جنگ سے لے کر صلح و امن تک کے تمام امور اور مسائل میں یکساں اور مثالی ہے۔

یہی اسلام کی بے آمیز اور خالص فکر ہے اور یہی دینِ اسلام کا حقیقی مفہوم ہے۔ اسلام کسی سطحی سوچ اور بے سمت عقیدے کا نام نہیں ہے۔ یہ وہ عملی طریق زندگی ہے جو رسولِ خدا، حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اور جس کی پیروی و اتباع کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دیا ہے، اور جس کے واضح خطوط اور روشن اصول وضوابط کے نفاذ وتنفیذ کی ہدایت دی گئی ہے۔

یہی ہے وہ بندگی جس کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی، اور یہی فریضہ اقامت دین کا مفہوم ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کو دیا، اور پھر تمام اہل ایمان کو بھی اس کی پیروی کی ہدایت کی۔ جیسا کہ قادرِ مطلق نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط (الشوریٰ ۴۲:۱۳) اُس نے تمھارے لیے دِین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا، اور جسے (اے محمدؐ) اب تمھاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

اس لیے یہ بات واضح ہے کہ اسلام کس ارفع و اعلیٰ عقیدے اور جامع نظامِ زندگی کی دعوت دیتا ہے اور یہ بھی کہ اسلام کا وہ حقیقی پیغام کیا ہے جو وہ روئے زمین پر پھیلانا اور تمام خطوں اور تمام انسانوں میں عام کرنا چاہتا ہے۔ اُمت مسلمہ تو برپا ہی اس لیے کی گئی ہے کہ وہ اس پیغام کو دنیا بھر میں پہنچائے، اس عقیدے کو پھیلائے اور اس نظام کو عمل میں لا کر دکھائے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (اٰل عمرٰن ۳:۱۱۰) اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

تاریخ نے ان زندہ مشاہدات کو اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے، جو زبانِ حال سے اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ پہلے دور میں امت نے اپنے اس فریضے کی بہترین طریقے سے ادائیگی کی تھی، جس میں صحابہؓ و تابعینؒ اور مابعد کے دورِ سلف صالحینؒ شامل تھے۔ مگر دل جس خیال سے رنجیدہ اور غم زدہ ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ بعد کے ادوار میں اُمت اس فریضے کی ادائیگی سے غافل ہو گئی اور اب تک غافل چلی آرہی ہے۔ اس فریضے کی انجام دہی میں خطرناک حد تک گناہ کی مرتکب ہے جس فریضے کی ادائیگی کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈالی گئی تھی___ ان حالات میں

اس سے زیادہ ضرورت مند کون سی امت اور قوم ہوسکتی ہے کہ اس میں ایک خالص اسلامی تحریک برپا ہو، جو دعوتِ دین کا کام اَزسرِنو انجام دے اور نئے سرے سے اپنے مقصود و منزل کی طرف عازمِ سفر ہو۔ جو اپنے قول و فعل کے ذریعے حق کی شہادت دے اور اللہ کے خالص دین کو انسانیت کے سامنے پیش کرے۔ دنیا و آخرت کی خیر و فلاح لوگوں کے سامنے رکھے اور اس کا جامع اور مکمل عالمی نظام اُن کے سامنے پیش کرے ___ وہ دین جو دنیاوی و اُخروی کامیابیوں اور سعادتوں کا ضامن ہے، جو جلد حاصل ہونے والے فائدے کی ضمانت بھی دیتا ہے اور دیر سے ملنے والے نفع کی نوید بھی سناتا ہے۔

سعادت مندی اور کامیابی و کامرانی کا یہ کام واضح دلائل، روشن براہین، جدید اسالیب، مؤثر حکیمانہ طریقوں اور دلوں کی گہرائیوں میں اتر جانے والے طرزِ کلام کے ذریعے ہوگا۔ ایسا طرزِ کلام جو اس دور میں عوام کے فہم و شعور اور اندازِ غور و فکر سے ہم آہنگ ہو اور سننے پڑھنے والوں کے طبائع اور زمانے کے ذوق سے مناسبت رکھتا ہو، کیونکہ ہر دور اور زمانے میں حالات اور اسالیب بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا بنیادی اصولوں پر پختگی سے قائم رہتے ہوئے لوگوں کو مخاطب کرنے کے انداز بدلنے ضروری ہیں۔ تاکہ مؤثر طریقے سے ابلاغ ہو، اور حق بات بڑے پیمانے پر ہر خاص و عام تک پہنچے۔

اس دعوت کے خدوخال دعوت کے داعی سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے تھے، جو حسب ذیل ہیں:

دعوت کے تین نکات

اگر ہم اس دعوتِ دین، حق اور اسلام کی خالص دعوت اور اس کے اہداف و مقاصد کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو ان کو تین نکات کی صورت میں بیان کر سکتے ہیں:

۱- یہ کہ ہم بندگانِ خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

۲- یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اس کو ماننے کا دعویٰ یا اظہار کرے، اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض (دورنگی) کو خارج کر دے اور جب وہ مسلمان

ہے، یا بنا ہے، تو مخلص مسلمان بنے، اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

۳- یہ کہ زندگی کا نظام جو آج باطل پرستوں اور فُساق وفُجار کی راہ نمائی اور قیادت وفرماں روائی میں چل رہا ہے، اور معاملاتِ دُنیا کے نظام کی زمامِ کار، جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور راہ نمائی وامامت، نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے مومنین وصالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔

یہ تینوں نکات اگرچہ اپنی جگہ بالکل واضح ہیں، لیکن ایک مدت دراز سے ان پر غفلتوں اور غلط فہمیوں کے پردے پڑے رہے ہیں۔ اس لیے بدقسمتی سے آج غیر مسلموں کے سامنے ہی نہیں، جن کو اسلام کی دعوت اور تعلیم سے آگاہی نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کے سامنے بھی ان کی تشریح کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ لہٰذا ہم یہاں ان کی وضاحت کیے دیتے ہیں:

اللہ کی بندگی کا مفہوم

اللہ کی بندگی سے مراد، جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں، صرف یہ نہیں ہے کہ بندہ اللہ کی بندگی کا اقرار کرلے اور پھر عملی زندگی میں اس سے مطلقاً آزاد رہے، جیسا کہ وہ جاہلیت کی زندگی میں تھا۔ پھر اس سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا عقیدہ رکھے، اسے ہر جان دار کا رازق مانے، تمام مخلوقات میں اس کی عبادت کا حق تسلیم کرے، لیکن دنیاوی زندگی کے امور ومسائل میں اس کی کوئی حکمرانی تسلیم نہ کرے۔ اسی طرح بندگی کا یہ مفہوم بھی نہیں ہے کہ زندگی کو دو حصوں میں بانٹ لیا جائے۔ ایک حصّہ مذہبی اور دینی امور سے متعلق ہو، اور دوسرا دنیا کے امور ومعاملات سے متعلق ہو۔ بندگی وعبادت رائج تصور کے مطابق صرف عقائد وعبادات اور اُن مسائل تک محدود ہو، جو انفرادی زندگی اور شخصی حالات سے متعلق ہوں۔ رہی دُنیوی زندگی اور اس کے اُمور ومسائل جو تمدن ومعاشرت، سیاست ومعیشت، علوم وفنون اور آداب واخلاق وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں، اُن میں اللہ کی حکمرانی کو نہ مانا جائے اور نہ اس کے اوامر واحکام کو یہاں نافذ کیا جائے۔ ان میں بندہ بالکل آزاد ہو، جو چاہے کرے، اور حکومت وسلطنت وغیرہ میں جیسا چاہے نظام وضع کرے۔

چونکہ دین ایک ہی ہے جو کبھی بدلا نہیں، اور کتاب بھی ایک ہی ہے، جس میں کہیں سے بھی باطل داخل نہیں ہوسکتا، اس لیے اس دعوت کے داعی اس ملک میں بھی اور تمام اقصائے عالم میں بھی

یہ یقین رکھتے ہیں کہ بندگی کے مذکورہ سارے مفاہیم بنیادی طور پر باطل ہیں۔ لہٰذا، وہ کفر و جاہلیت اور شرک و اباحیت کے ان نظاموں کا جڑ سے خاتمہ چاہتے ہیں۔ کیونکہ بندگی کے اس ناقص اور ترمیم شدہ مفہوم اوران کی من مانی تعبیرات نے اسلام کا حقیقی چہرہ مسخ کر رکھا ہے اور دین کا حقیقی تصوّر چھپا کر رکھ دیا ہے۔

جس بات پر ہمارا پختہ یقین اور اعتقاد ہے اور جس کی طرف ہم لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ اللہ کی بندگی ہے جس کی طرف برگزیدہ انبیا ورُسل، ابوالبشر سیّدنا آدمؑ سے لے کر خاتم الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک نے بلایا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اقرار اور عقیدہ ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور اللہ ہی اپنے بندوں کا حقیقی حاکم اور لائقِ اتباع واطاعت ذات ہے۔ وہی قانون و دستور کا شارع اور امور و معاملات کا مالک ہے۔ وہی ان کے امور و معاملات کا متصرف اور وہی ان کے اعمال وافعال کا محاسب ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ بندہ اسی مقتدر وقادرِ مطلق اللہ کے حوالے اپنی پوری زندگی کر دے اور اپنے دین کو اسی بلند و برتر کے لیے خالص کر لے۔ اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کے اخلاقی و سیاسی، معاشی وسماجی تمام امور میں اسی کی عبادت وعبودیت کا عقیدہ دل و دماغ میں بٹھا لے۔ اسی مفہوم میں قرآن عظیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ (البقرہ ۲:۲۰۸) اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ۔

وہی اللہ اس آیت میں اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ مکمل طور پر اس کے دین میں داخل ہو جائیں۔ اپنی پوری زندگی کو اس کے دین کے تابع کر دیں۔ تاکہ کوئی شے اس کی حکمرانی سے باہر اور زندگی کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ اس کی حکمرانی کے دائرۂ نفوذ و نفاد سے باہر نہ رہے۔ تمھارے لیے یہ مناسب ہی نہیں ہے کہ تم اپنی زندگی کے گوشوں میں سے کسی گوشے اور شعبے میں اُس کی کامل بندگی سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھو، یا اپنے معاملات میں جن خودساختہ طریقوں اور نظاموں کو چاہو اختیار کر لو، اور جن دساتیر وقوانین کی چاہو پیروی کرو۔ بندگی کا یہ مفہوم ہم تمام مسلمانوں اور غیرمسلموں میں پھیلانا اور عام کرنا چاہتے ہیں اور اسی کی ہم دعوت دیتے اور تبلیغ کرتے ہیں، کہ تمام انسانیت اسی کو قبول کرے، اسی پر ایمان ویقین رکھے۔

نفاق کا خاتمہ

دوسری چیز جس کا ہم ایمان کے دعوے داروں سے مطالبہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نفاق کی تمام شکلوں اور اپنے اعمال کو تناقض کے تمام مظاہر سے پاک کرلیں۔

نفاق یا منافقت سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان ایک خاص نظام پر ایمان کا دعویٰ کرے، اور اس کی طرف نسبت و انتساب کا سچا جھوٹا مظاہرہ بھی کرے۔ پھر اسی نظام کے بالکل برخلاف نظامِ حیات میں راضی و مطمئن زندگی گزارتا رہے۔ اپنے ایمان کے منافی نظام کے خلاف اس کے دل میں کوئی اضطراب پیدا نہ ہو۔ وہ اپنے دین کے نفاذ کے لیے کبھی جدوجہد نہ کرے، بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں کو، اپنی مساعی اور کاوشوں کو اسی فاسد و فاسق اور ظالم نظام کی جڑیں مضبوط کرنے، یا ایک باطل نظام کی جگہ دوسرے باطل نظام کو قائم کرنے میں اپنی طاقتیں صرف کر دے، یا پھر اسی ظالمانہ نظام کے فروغ و ارتقا میں اپنی زندگی کھپا دے اور اپنے آپ کو پُرسکون و مطمئن اور مومن و مسلمان بھی سمجھتا رہے۔ ایسے لوگوں کو منافق ہی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کیونکہ ایمان کسی ایک نظام پر رکھنا اور مطمئن کسی دوسرے نظام پر ہوجانا، آپس میں بالکل متضاد باتیں ہیں۔ یہ ایسی بات اور صورت حال ہے جس کو سن کر کان اس کی تصدیق کے لیے تیار نہ ہوں، عقل اس کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو، اور شریعت کی میزان پر اس کو تولا جائے تو وہاں اس کا کوئی وزن نہ ہو۔

یہ بات ایمان کے بالکل بنیادی مقتضیات میں سے ہے کہ آدمی کو دل کی گہرائیوں سے یہ بات پسند ہو کہ اللہ کا کلمہ ہی بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہو۔ اور یہ کہ دین تمام کا تمام اللہ ہی کے لیے ہوجائے۔ اور یہ کہ اس روئے زمین پر اسلام کا پرچم اٹھانے والوں اور انسانیت کے لیے یہ ذمہ داری ادا کرنے والوں کا کوئی مخالف و مزاحم نہ ہو۔ وہ اس دین پر آنے والی آنچ دیکھے یا اس کے دائرۂ اثر کی حکمرانی، تو اس کی روح بے قرار ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی ایمان کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ جب تک اس دین کے نظامِ عدل کو غالب اور برسرِ کار نہ دیکھ لے، بے چین و مضطرب اور بے سکون و ناخوش رہے۔ دین کی حکمرانی، اس کے پرچم کی سربلندی اور اس کے کلمے کا نفاذ ہی اس کے لیے باعثِ راحت و سکون ہو۔

ایمان کی ان علامات اور نشانیوں پر بحث سوائے کسی ہٹ دھرم اور جھگڑالو کے کوئی نہیں کرسکتا۔ اور یہ بات بھی ناقابلِ بحث ہے کہ آدمی ان عصری باطل نظاموں پر راضی و مطمئن ہو کر زندگی گزارتا رہے، جن میں دین کا کہیں کوئی غلبہ نہ ہو۔ بلکہ ان نظاموں نے دین کو نکاح و طلاق اور وراثت کے نہایت محدود اور تنگ دائرے تک محدود کر دیا ہو، جس سے ان جاری ظالمانہ نظاموں کو کوئی خطرہ نہیں اور نہ یہ مسائل ان کے حدودِ سلطنت و امارت میں کوئی دخل دیں ___ یا آدمی اس طرح کے نظاموں میں مطمئن زندگی گزارتا رہے، وہ انھی پر صابر و مطمئن ہو جائے اور نہ اس کی رگِ حمیت پھڑکے۔ بخدا، اس طرح کا رویہ بلاشک وشبہ نفاق کی نشانیوں میں سے ہے۔

اس قسم کے آدمی کو فقہاء و مشائخ کی طرف سے رعایت مل سکتی ہے اور وہ فتاویٰ کے مجموعوں اور شماریات کے رجسٹروں میں تو مسلمان رہ سکتا ہے، مگر شریعت کی روح اس طرح کے رویے کو نفاق کے علاوہ کچھ اور قرار نہیں دیتی، خواہ ان مفتیان کے فتوے اس کے خلاف ہی ہوں، جن کا مقصد محض اس فانی دنیا کا حصول ہے۔

لہٰذا، وہ چیز جس کی ہم مسلمانوں اور اسلام کا مظاہرہ کرنے والوں کو دعوت دیتے ہیں، یہ ہے کہ وہ دین کو صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے خالص کرلیں اور اپنے آپ کو نفاق کی تمام آلائشوں سے پاک کرلیں۔ اس ایمان کا یہ حق بھی ہے کہ آدمی اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں میں یہ تمنا اور آرزو رکھے کہ زندگی اور حکومت کا نظام، معیشت و معاشرت کے طور طریقے وہی ہوں، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، اور وہی دنیا میں نافذ و سربلند ہوں۔

کوئی ہٹ دھرم ان کا راستہ نہ روک سکے اور کوئی رکاوٹ ان کی راہ میں حائل نہ ہونے پائے، کجا کہ وہ اس کے برعکس نظام پر راضی رہے اور اسی کے تحت زندگی گزارنے پر مطمئن ہو جائے۔

باقی رہا وہ شخص جو باطل نظاموں کی جڑیں مضبوط کرنے کی سعی کرے اور اسی کو سربلند کرنے میں کوشاں ہو، ایسا شخص بلاشبہ گمراہی، بے راہ روی اور ہٹ دھرمی کا شکار ہے۔

تناقض کا خاتمہ

نفاق کے ساتھ دوسری چیز تناقض ہے، جس کو اپنی زندگیوں سے خارج کرنے کی ہم نئے اور پرانے تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں۔ تناقض کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کا عمل اس دعوے کے

خلاف ہو، جو وہ اپنی زبان سے کرتا اور اپنے اقوال میں ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی تناقض ہے کہ آدمی کا عمل زندگی کے مختلف مسائل میں یکساں نہ ہو۔ کسی پر بہت زور ہو اور کوئی بالکل نظر انداز ہو کر رہ جائے۔ اسی طرح یہ بھی اسلام پہ ایمان نہیں ہے کہ آدمی زندگی کے شعبوں میں سے کسی ایک شعبے میں تو احکام الٰہی کو مان کر دے، مگر دوسری طرف حدودِ شریعت سے تجاوز کو وتیرہ بنائے رکھے۔ نہیں، یہ نہیں بلکہ ایمان کے تقاضوں میں ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے اور اپنی پوری زندگی کو دینِ حق کی نگرانی میں دے دے۔ وہ احکامِ الٰہی میں سے کسی حکم کی بھی نافرمانی نہ کرے۔ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے ایسے فعل کا بھی ارتکاب نہ کرے، جس سے اللہ کی کامل بندگی اور دین وشریعت کی کامل پیروی میں ذرا سا بھی نقص واقع ہوتا ہو۔ مومن کی یہ نشانی ہے کہ وہ اللہ کے رنگ میں رنگ جائے، دنیا کی فتنہ انگیز کوئی شے اس کے اوپر اثر انداز نہ ہو سکے۔ وہ اپنے اعمال وافعال میں صراطِ مستقیم سے ذرا منحرف نہ ہو۔ یہ بھی علاماتِ ایمان میں سے ہے کہ جب بھی کوئی برائی اور نافرمانی سرزد ہو جائے، تو مومن اپنے اللہ سے معافی مانگے اور اس کی طرف رجوع کرے۔

لیکن آدمی اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرے، نماز، روزہ اور بعض متعین شعائر کی ادائیگی بھی کرے اور پھر خود کو آزاد وخود مختار سمجھ لے، کسی قید وقدغن کی پروا کرے اور نہ کسی حکم الٰہی کو عملی زندگی میں مانے، یہی وہ تناقض ہے جو بندگی کے منافی ہے۔

آپ اس شعبدہ بازی کے بارے میں کیا کہیں گے، جو آج کے مسلمان پوری دنیا میں دکھا رہے ہیں اور ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ کا بلند بانگ دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اسلام کا بھی اظہار کرتے ہیں، اور اس کی بعض علامات کو بھی اپنا رکھا ہے۔ لیکن جونہی عملی زندگی میں داخل ہوتے ہیں، سیاست کے میدان میں قدم رکھتے ہیں اور معیشت ومعاشرت کے مسائل میں بحث کرتے ہیں، تو اسلام کی تعلیمات ان کو چھو کر بھی نہیں گزرتیں۔ دین حق اور شریعت کاملہ کے پیروکاروں کے اثرات ذرا بھی ان کے اوپر دکھائی نہیں دیتے۔ یہ دورنگی اور شعبدہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟

وہ دن رات یہ اقرار کرتے نہیں تھکتے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اس کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ لیکن ساتھ ہی وہ ہر نااہل کے پیچھے چلنے میں ذرا بھی حرج محسوس نہیں کرتے ہیں، حتیٰ کہ انھیں اللہ کی زمین پر کسی جابر ومتکبر کے سامنے جھکنے اور اس کے حکم کی بجا آوری

میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔

یہ ہے وہ تناقض و تضاد اور اس کی علامات، جو مسلمانوں کی تمام اخلاقی و معاشرتی بیماریوں کا سبب ہیں۔ اور جب تک ان کے اندر یہ مہلک اخلاقی امراض باقی رہیں گے، ان کے زوال و ذلت اور انحطاط و پسماندگی کے مرض سے شفایابی کی اُمید نہیں۔ نہ اس پستی سے ان کے نکلنے کی اُمید ہے جس میں یہ گر چکے ہیں۔

لیکن یہاں جس بات پر دل خون کے آنسو روتا ہے وہ مسلمان علما و مشائخ کا رویہ ہے جنھوں نے ان کو یہ یقین دلا رکھا اور اس پر مطمئن کر رکھا ہے کہ دین کے معاملات میں بس وہ کلمۂ شہادت کا اقرار کرلیں، نماز پڑھ لیں، روزہ رکھ لیں، یہ چند متعین و محدود رسومِ عبادت ادا کر لیں تو اُن کے لیے کافی ہے۔

اگر وہ اتنا کرلیں تو نجات اور جنّت کے دروازے ان کے لیے بند نہیں ہو سکتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد جتنی برائیاں چاہیں کرلیں، کفر و ضلالت کے جن اماموں کی چاہیں پیروی کرلیں، وہ جو چاہیں اپنی خواہشِ نفس کے تحت غلط اور باطل نظریات و افکار کو اختیار کر سکتے ہیں۔ دین کے معاملے میں ان کی بے باکی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ دینِ اسلام کا اقرار ہی کافی سمجھتے ہیں اور فرائضِ شریعت کی ادائیگی کی ضرورت تک محسوس نہیں کرتے۔

ائمہ کفر و ضلال تو ایک قدم اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ یہ صرف مسلمانوں جیسے نام رکھ کر اور ان کے رجسٹروں میں اندراج کرا کے مسلم و غیر مسلم حکومتوں کے مناصب پر متمکن ہوجاتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ایسے ہی لوگوں کی تصویر دکھائی گئی ہے:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط (البقرۃ ۲:۸۰) وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں، اِلّا یہ کہ چند روز کی سزا مل جائے تو مل جائے۔

مسلمانوں کے بدنوں اور روحوں کو لگی اس پیچیدہ اور دیرینہ بیماری کے ہی یہ نتائج ہیں کہ وہ کمیونزم، نازی ازم، کیپٹل ازم اور مادر پدر آزاد جمہوریت وغیرہ جیسے مغرب سے درآمدہ جدید نظاموں کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ انھی ظالم اور جابر لوگوں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں جو اللہ کی زمین پر ناحق تکبر کے مظاہرے کرتے پھرتے ہیں۔ ان میں مسلمان حکمران بھی شامل ہیں

اور غیر مسلم حکمران بھی ـــــ ان لوگوں کو اس میں کسی حرج اور نقصان کا ذرا اندیشہ نہیں محسوس ہوتا۔ انھیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ خدا کے ان باغیوں اور سرکشوں کے طریقے اسلام کے نظامِ زندگی کے بالکل برعکس ہیں۔

ہماری دعوت کے بنیادی نکات میں یہ بات شامل ہے کہ ہم ہر مسلمان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ غیر اللہ سے قائم ہر تعلق کو توڑ کر اپنے تعلق کو صرف اللہ کے لیے خالص کر لے اور یکسو اور یک رُخ ہو کر اسی کا بندہ بنے۔ وہ ہر قسم کی عصبیت سے نکل جائے۔ نظریۂ حق کے مخالف اور معارض ہر فکر و نظر سے اپنا رخ پھیر لے اور پھر اس پر قائم رہے، اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو تدریجاً ان ٹیڑھے اور غلط راستوں سے کٹ جانے کی مسلسل جدوجہد کرتا رہے۔ (جاری)